OPEN ACCESS: Al Khadim Research Journal of Islamic Culture and Civilization
ISSN (ONLINE): 2710-0235 & ISSN (PRINT): 2710-0227
https://www.arjicc.com

ریاست مدینہ میں داخلی امن کے قیام کا نبوی طریقہ کار

The Prophetic Method of Establishing Internal Peace in the State of Medinah

Abdul Majid
Phd Scholar, Department of Islamic Studies, Al-Hamd Islamic University, Islamabad.

Dr. Munir Ahmed
Associate Professor, Department of Islamic Studies, Al-Hamd Islamic University, Islamabad.

Received on: 03-01-2025 Accepted on: 04-02-2025

Abstract

Prophet's biography and teachings are extremely important in the training and reform of individuals, society and nations. In terms of training, his sayings, deeds and silent approvals have equal status. However, there are some parts of his teachings that researchers have not paid enough attention to so far. They have been described briefly. Among these are his comprehensive measures for establishing internal peace at the state level. In the light of these, both individuals and society can adopt such protective measures through which human society can be at peace and harmony. It is known that when the Prophet Muhammad (PBUH) began preaching Islam, the number of Muslims was small. Moreover, Islam introduced a code of life that completely changed the conditions of the Arabian Peninsula at that time. The Prophet (PBUH) was fully prepared to face the problems and hardships that could arise as a result of this great mission. His enemies had more political, economic and military power, yet he took such steps that, despite the lack of economic and military resources, Islam got a full opportunity to flourish and flourish in the land of Arabia. Keeping this aspect in mind, We have tried to find an answer to the question: "What important steps did the Prophet Muhammad (PBUH) take to establish internal peace in the state of Medina after the migration to Medina?". The article presents various aspects of the Prophet's (PBUH) Madani life to answer this question. Instead of going into details about these aspects, it has only focused on those points that are directly related to inner peace.

Keywords: Islam, Prophet Muhammad (PBUH), Madina, Islamic State, Peace, Welfare, War, Muslims, Jews, Pagans, Arab, Justice

تمہید

سیرت النبی ﷺ کے امتیازات میں سے اہم پہلو یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی سوانح و تعلیمات مکمل طور پر ہم تک پہنچی ہیں۔ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر مرحلہ بامقصد طریقے سے انتہائی دیانت داری کے ساتھ دستاویزی ریکارڈ میں محفوظ رکھا گیا ہے۔ اس طرح آپ ﷺ کی سوانح محض قصص پر مشتمل روایات کا مجموعہ نہیں ہے اس میں اہم سبق یہ ہے کہ آپ ﷺ زندگی بھر ان مقاصد کے حصول کے لیے مصروف عمل رہے جو آپ ﷺ کی بعثت کے ساتھ مربوط تھے۔ اس ضمن میں آپ ﷺ نے ایمانیات، عبادات اور معاملات کو بیک وقت اپنی توجہ

کا مرکز بنائے رکھا تھا۔ نبی ﷺ کی سیرت ایک ایسا ماخذ اور حوالہ ہے جس سے مسلمانوں کی آنے والی نسلیں زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی حاصل کر سکتی ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت پر ہزاروں کتابیں لکھی جاچکی ہیں اور مصنفین کے مناہج اور اسلوب میں اگرچہ تنوع ملتا ہے لیکن ایک چیز جس پر سب متفق نظر آتے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت و کردار مسلمانوں کے لیے اسوہ حسنہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا

بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لیے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے [1]۔

متعدد غیر مسلم محققین نے بھی آپ ﷺ کی سیرت کے مطالعہ کے لیے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے۔ ان میں سے منصف مزاج لوگوں میں آپ ﷺ کی عظمت پر اجماع رہا ہے۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا شمار ان صف اول کے رہنماؤں میں ہوتا ہے جنھوں نے انسانی تاریخ کے دھارے کو تبدیل کر دیا اور کامیابی کے ساتھ ایک ایسی تہذیب اور ریاست کی بنیاد رکھی جس نے انسانیت کی ترقی میں واضح اور اہم کردار ادا کیا۔

نبی اکرم ﷺ نے انسانوں کو اخلاقی تعلیم کی ایسی جہات سے متعارف کروایا جن کے ذریعے انسان باوضع اور باکردار بن سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس عمل کو محض دعوت و تاکید تک محدود نہیں رکھا بلکہ عملی طور پر اس کا نمونہ بھی پیش کیا تھا جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو "خلق عظیم" پر فائز قرار دیا ہے [2] اور آپ ﷺ نے خود بھی فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمایا ہے [3]۔

آپ ﷺ کی سیرت اور تعلیمات فرد، معاشرے اور قوم کی تربیت و اصلاح کے ضمن میں انتہائی اہم ہیں۔ تربیت کے ضمن میں آپ ﷺ کے اقوال مبارکہ، اعمال مبارکہ اور تقریرات مبارکہ کا مساوی درجہ ہے۔ تاہم آپ ﷺ کی تعلیمات کے بعض حصے ایسے ہیں جن کی طرف محققین نے تاحال خاطر خواہ توجہ مبذول نہیں کی ہے۔ ان کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ ان میں سے ریاستی سطح پر داخلی امن کے قیام کے لیے آپ ﷺ کے جامع اقدامات شامل ہیں۔ ان کی روشنی میں افراد اور سماج، دونوں ایسی حفاظتی تدابیر اختیار کر سکتے ہیں جن کے ذریعے انسانی معاشرہ امن وامان سے ہم کنار ہو سکتا ہے۔

یہ معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے جب اسلام کی دعوت و تبلیغ کی ابتداء کی تب مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی۔ مزید یہ کہ اسلام نے ایسے ضابطہ حیات کو متعارف کروایا جس نے اُس وقت کے جزیرہ نمائے عرب کے حالات کو یکسر بدل کر رکھ دیا تھا۔ اس عظیم مشن کے نتیجے میں جو مسائل و مصائب درپیش ہو سکتے تھے ان کا سامنا کرنے کے لیے نبی اکرم ﷺ مکمل طور پر تیار تھے۔ آپ ﷺ کے دشمنوں کے پاس سیاسی، معاشی اور عسکری طاقت زیادہ تھی، پھر بھی آپ ﷺ نے ایسے اقدامات کیے جن کے ذریعے معاشی اور عسکری وسائل کے فقدان کے باوجود اسلام کو سرزمینِ عرب میں پھلنے اور پھولنے کا بھرپور موقع ملا۔ اس پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے مقالہ ہذا میں اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ "ہجرت مدینہ کے بعد آپ ﷺ نے ریاست مدینہ میں داخلی امن کے قیام کے لیے کون سے اہم اقدامات فرمائے تھے؟"۔

مقالہ میں اس سوال کے جواب کے لیے آپ ﷺ کی مدنی زندگی کے متنوع پہلوؤں کو پیش کیا گیا ہے۔ان پہلوؤں کی تفصیلات کے بجائے محض ان نکات پر اکتفا کیا گیا ہے جو براہ راست داخلی امن کے ساتھ مربوط ہیں۔

اہل مدینہ کے باہمی تعلق میں توازن

جب نبی اکرم ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی، اوس اور خزرج کی جانب سے آپ ﷺ کا زبردست خیر مقدم کیا گیا تھا۔ تمام اہلیانِ مدینہ کی خواہش تھی کہ آپ ﷺ ان کے ہاں قیام فرمائیں۔ آپ ﷺ اپنی اونٹنی "قصوا" سے نیچے ہی نہیں اترے تھے۔ پہلے آپ ﷺ دونوں قبائل کے مختلف گروہوں کے قریب سے گزرے۔ ان میں بنو عمرو بن عوف، بنو سلیم، بنو بیاضہ، بنو ساعدہ، بنو حارث اور بنو عدی بن نجار وغیرہ شامل تھے[4]۔ ان کی جانب سے آپ ﷺ کو اپنے ہاں قیام کی پیشکش کی جاتی تو آپ ﷺ فرماتے کہ میری اونٹنی کو چھوڑ دو، یہ اُسی جگہ جا کر رکے گی جہاں رکنے کا اس کو کہا گیا ہے[5]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اہل مدینہ کو باہم متحد رکھنے کے لیے مؤثر حکمت عملی اختیار فرمائی تھی۔ آپ ﷺ ان کی روایات اور ضابطہ حیات سے بخوبی واقف تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی آمد سے قبل اوس اور خزرج کے مابین سخت جنگ وجدل اور تصادم کی فضا قائم تھی۔ اگر آپ ﷺ صرف ایک قبیلے کے ہاں قیام فرماتے تو اسلام دشمنوں کی جانب سے یہ شک پیدا کرنے کی کوشش کی جا سکتی تھی کہ آپ ﷺ نے کسی مخصوص قبیلے کی تائید کی ہے۔ اس وقت مسلمانوں کے دشمنوں میں مشرکینِ مکہ اور یہودِ مدینہ انتہائی چوکس ہو کر کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔

جب آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ میرے رشتے داروں میں سے کس کا گھر یہاں سب سے نزدیک ہے؟ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میرا گھر سب سے نزدیک ہے اور یہ میرا دروازہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ چلو اور ہمارے آرام کا انتظام کرو[6]۔

اپنے رشتے داروں میں قیام کرنے سے متعلق آپ ﷺ کا یہ فیصلہ انتہائی حکمت اور مصلحت پر مبنی تھا کیونکہ اس سے یہ تاثر پیدا ہوا کہ آپ ﷺ اوس اور خزرج میں سے کسی ایک کو دوسرے پر تفوق نہیں دے رہے تھے۔ اس عہد میں کسی علاقے میں جا کر اپنے رشتے داروں کے ہاں قیام کرنا ایک عام روایت تھی۔

عصر حاضر میں یہ واقعہ متعدد دروس واسباق پیش کرتا ہے۔ اگر کسی خطے میں قبائل یا گروہوں کے مابین نزاع کے حالات ہوں تو حکومتی ذمہ داران کو اس خطے میں جانے کے بعد اپنا طور طریقہ عدل اور اعتدال کے تقاضوں کے مطابق رکھنا چاہیے۔ ان کے کسی قول یا فعل سے یہ شبہ پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ کسی مخصوص گروہ کی طرف داری کی جا رہی ہے اور دوسرے گروہ کے حقوق یا اہمیت سے اغماض کیا جا رہا ہے۔ اس طرح نہ کیا جائے تو داخلی سطح پر افتراق وانتشار کی فضا پیدا ہو گی جس سے امن سبوتاژ ہو کر رہ جائے گا۔ امن کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ باہم متحارب گروہوں کو مساوی درجہ پر رکھا جائے اور اپنے کسی بھی قول یا عمل سے کسی ایک گروہ کو امتیاز یا تفوق کے ساتھ نہ جوڑا جائے۔

مسجد کی تعمیر

مدینہ تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد تعمیر فرمائی تھی۔ یہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں تمام قبائل جمع ہو کر ایک دوسرے کے دوست بن سکتے تھے۔ یہ وہی قبائل تھے جو اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں ایک دوسرے کے خلاف کشت و خون میں پیکار رہتے تھے[7]۔

مسجد کی تعمیر میں نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ مزدور کی طرح کام کیا تھا۔ مسجد کی تعمیر کے لیے مٹی کی اینٹوں، پتھروں اور کھجور کی شاخوں کا استعمال کیا گیا تھا۔ اس تعمیری عمل کے دوران آپ ﷺ فرماتے تھے کہ "اللھم لا عیش الا عیش الآخرة فاغفر للانصار والمھاجرة"۔ اے اللہ! زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے۔ انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما دے۔ آپ ﷺ کے یہ الفاظ سن کر صحابہ کرام کی ہمت اور حوصلہ میں اضافہ ہوا اور انھوں نے جواب میں کہا کہ "لئن قعدنا والنبی یعمل لذاك من العمل المضل" اگر ہم تھک کر بیٹھے گئے اور نبی اکرم ﷺ کام کرتے رہے تو پھر ہیں ناکامی کا سامنا ہوگا۔ مسجد کے بعد نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے لیے گھروں کی تعمیر کی گئی تھی۔ اس وقت صرف حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں تھیں، لہذا ان دونوں کے گھر ہی تعمیر ہوئے تھے[8]۔

مسجد وہ خاص مقام ہے جہاں مسلمان رنگ، نسل، زبان، قبیلے اور سماجی امتیازات کی تفریق کو بالائے طاق رکھ کر ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ یہ اللہ کا گھر ہے جس میں سب ایک دوسرے کے مساوی ہیں۔ اسی لیے نئے مسلم سماج کے لیے یہ مسجد اہم سرگرمیوں کا مرکز بن گئی تھی۔ اس میں مسلمانوں کو اسلام کی تعلیم دی جاتی تھی، اسلامی عبادات بجالائی جاتی تھیں نیز مسلمانوں کے باہمی اختلافات و تنازعات کو حل کیا جاتا تھا۔ بتدریج مسجد نے ریاستِ مدینہ میں ایک پارلیمان کی صورت اختیار کر لی جس میں نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ اہم امور پر مشاورت کے بعد فیصلے صادر فرماتے تھے۔

مکہ سے اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ ہجرت کرنے والے متعدد مسلمانوں کے پاس رہائش کے لیے جگہ نہیں تھی۔ مدینہ میں ان کے رشتے دار بھی نہیں تھے اور ان کے پاس اپنی کفالت کے لیے وسائل بھی نہیں تھے۔ ان مسلمانوں کے لیے مسجد نبوی قیام گاہ بن گئی۔ ان کو اصحابِ صفہ سے موسوم کیا جاتا تھا۔ ان میں سے ابو درداء، ابو ذر غفاری، ابو عبس بن جبر، ابو عبیدہ ابن الجراح، ابو کبشہ، ابو لبابہ، ابو مرثد غنوی، ابو ہریرہ، ابوالیسر، بلال بن ابی رباح، ثابت بن ودیعہ، ثوبان بن بجد، حجاج بن عمرو، خباب بن ارت، خبیب بن یساف، زید بن خطاب، سالم مولیٰ ابو حذیفہ، سالم بن عمیر، سائب بن خلاد، سلمان فارسی، صفوان بن بیضاء، صہیب بن سنان، عبد اللہ بن مسعود، عتبہ بن مسعود، عکاشہ بن محصن، عمار بن یاسر، عمیر بن سعد، عویم بن سعد، مسطح بن اثاثہ، مسعود بن ربیع، معاذ بن حارث، مقداد بن اسود، عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنھم وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں[9]۔

عصر حاضر میں اس سے متعدد اسباق اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ کسی بھی نئے اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھنے کے وقت سب سے پہلے مسجد کی تعمیر

ہونی چاہیے کیونکہ ہر طبقے سے تعلق رکھنے والا مسلمان دن میں پانچ مرتبہ مسجد میں آکر نماز ادا کرنے کا پابند ہے۔اس سے سماجی مساوات کا درس ملتا ہے جس سے امیر اور غریب کا فرق مٹ جاتا ہے۔یوں معاشرے میں داخلی سطح پر قیامِ امن کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔اس سے دوسرا سبق یہ حاصل ہوتا ہے کہ معاشرے یا قوم کے سربراہ کو فلاحی سرگرمیوں میں عام انسانوں کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے۔اس طرح کمزور طبقے کی ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ نیز وہ لوگ جن کے پاس اپنی کفالت کے وسائل نہیں ہیں ان کو مخصوص شرائط اور ضوابط کے ساتھ مسجد میں رہائش دی جاسکتی ہے۔اس طرح نہ صرف مسجد کو خدمت گار میسر آسکتے ہیں بلکہ خطِ غربت سے نیچے زندگی گزارنے والا یہ طبقہ معاشی آسودگی کے حصول کے لیے جرائم کی راہ اختیار کرنے سے بھی بچ جاتا ہے۔

انصار و مہاجرین کے مابین مواخات

آپ ﷺ کی ہجرت کے وقت انسانی دنیا مختلف نسلی و قومی طبقات میں تقسیم تھی جس میں کم تر اور برتر کی تفریق انسانوں کو بعض خطوں میں دیوتاؤں کا درجہ دے رہی تھی اور بعض خطہ ہائے ارضی میں جانوروں سے بھی بدتر پستی پر کھڑا کر چکی تھی۔اس تفریق اور امتیاز کو مذہبی بنیادوں پر استوار کیا جاچکا تھا۔اہل علم نے اس کی تفصیلات پیش کر رکھی ہیں جن کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ واقعی آپ ﷺ کے عہدِ ظہور کے وقت عالم انسانیت کسی ایسے مسیحا کی آمد کا متقاضی تھا جو انسانوں کو ان کے حقیقی مقام سے روشناس کروائے[10]۔

مدینہ میں تشریف آوری کے بعد آپ ﷺ نے مسلمانوں کے مابین تعلق کو مضبوط کرنے سے لیے سب سے اہم اور مؤثر یہ اٹھایا کہ انصار اور مہاجرین کو رشتہ مواخات میں پرو دیا۔اس سے وجود میں آنے والے نئے سماج کو اتحاد اور استحکام حاصل ہوا تھا۔اس ضمن میں پالیسی یہ اختیار کیا گئی کہ ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی قرار دیا جاتا تھا۔یہ مواخات صرف لفظی وزبانی نہیں تھی بلکہ مسلمانوں نے اس کو حقیقی بھائی چارے سے بھی زیادہ اہم رشتے کے طور پر قبول کیا اور انصار نے اپنے بھائیوں کے لیے اپنی املاک وکاروبار کے دروازے کھول دیے تھے۔غزوہ بدر تک مہاجرین نے انصار کی اس معاونت سے بھرپور استفادہ کیا تھا۔

ابن ہشام لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مواخات کا یہ رشتہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر میں قائم فرمایا تھا۔اس وقت موقع پر 90 لوگ موجود تھے جن میں سے نصف مہاجرین اور نصف انصار سے تعلق رکھتے تھے۔انھوں نے اپنے استعمال میں آنے والی تمام چیزوں کو آپس میں بانٹ لیا یہاں تک کہ بعض لوگوں کی وفات کے بعد ان کی وراثت میں سے ان کے مواخاتی بھائیوں کو حصہ بھی دیا گیا تھا۔اس کے بعد جنگ بدر ہوئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ وراثت کے ضمن میں ذوی الارحام کا حق زیادہ ہے[11] لہذا انصار و مہاجرین کے درمیان وراثت کی تقسیم کا اصول ختم کر دیا گیا تھا[12]۔

قبائلی اختلافات کو ختم کرنے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے خصوصی خطابات صادر فرمائے تھے۔آپ ﷺ نے مکہ سے آنے والوں کو "مہاجرین" اور اہل مدینہ کو "انصار" کا خطاب دیا تھا۔انصار میں اوس اور خزرج شامل تھے۔اس مواخات کے نتیجے میں سابقہ قبائلی لڑائیوں اور نسلی تعصبات کا خاتمہ ہو گیا۔سب ایک دوسرے کے برابر ہو گئے اور اب ان کے درمیان صرف دین ومذہب کی اہمیت مسلمہ تھی۔

مواخات کے اس رشتے کے جلد ہی مثبت نتائج سامنے آنے لگے۔ مسلمان ایک ایسے بڑے خاندان کی صورت اختیار کر گئے جس کی مثال اس سے قبل دنیا نے نہیں دیکھی تھی۔ انصار نے حیرت انگیز انداز میں مہاجرین کی مدد کی مثالیں قائم کیں۔ مثلا سعد بن ربیع اور عبد الرحمان بن عوف کو آپس میں بھائی بنایا گیا تو سعد نے کہا کہ میرے پاس مال کی کثرت ہے۔ میں اس کا نصف آپ کو دے دیتا ہوں۔ میری دو بیویاں ہیں۔ آپ ان میں سے جس کو پسند کریں گے میں اس کو طلاق دے دوں گا۔ پھر آپ عدت گزرنے کے بعد اس کے ساتھ نکاح کر لیجیے گا۔ عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کا شکریہ ادا کیا اور بنو قینقاع کے بازار میں جا کر کام کرنا شروع کر دیا۔ جلد ہی انھوں نے شادی بھی کر لی اور نبی ﷺ کو خبر دی کہ میں نے سونے کا ایک ٹکڑا اپنی بیوی کو حق مہر کے طور پر ادا کیا ہے[13]۔

مہاجرین انصار کے شکر گزار تھے۔ انھوں نے انصار سے اپنی ضرورت سے زیادہ کوئی چیز نہیں لی تھی۔ انھوں نے اس رشتۂ مواخات کا غلط فائدہ بھی نہیں اٹھایا تھا۔ اس بھائی چارے کے متعدد مقاصد تھے جن میں اتحاد اور قیامِ امن سر فہرست تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان تعداد میں کم تھے اور وہ خطرے میں بھی تھے۔ لہذا مواخات کے ضمن میں جن مقاصد کو ملحوظ رکھا گیا تھا ان میں سب سے اہم مقصد مسلمانوں کو متحد کر کے، ان میں باہمی محبت و یگانگت پیدا کرنا اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون و اشتراکِ عمل کی فضا پیدا کرنا تھا تاکہ انصار و مہاجرین ایک ساتھ بہتر مستقبل کے لیے کام کر سکیں[14]۔

اسی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مواخات کی توصیف فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ :

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ [15]

اور (ان کے لیے) جنھوں نے ان سے پہلے اس گھر میں اور ایمان میں جگہ بنا لی ہے، وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کی طرف آئیں اور وہ اپنے سینوں میں اس چیز کی کوئی خواہش نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دی جائے اور اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ انھیں سخت حاجت ہو اور جو کوئی اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مہاجرین نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم نے انصار سے زیادہ وسیع القلب لوگ آج تک نہیں دیکھے ہیں۔ وہ مال زیادہ ہونے کی صورت مین ہم پر زیادہ خرچ کرتے ہیں اور مال کم ہونے کی صورت میں بہترین غم خوار ثابت ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں کام کرنے سے روکتے ہیں اور فائدے میں ہمیں شریک کرتے ہیں۔ ہمیں تو یہ اندیشہ ہے کہ سارا اجر وہی لے جائیں گے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان کے لیے جب تلک دعا اور ان کی تعریف کرتے رہو گے تب تلک ایسا نہیں ہو گا[16]۔

اس پُر حکمت منصوبے کے ساتھ نبی اکرم ﷺ نے متعدد مسائل حل کر لیے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک مضبوط اور باہمی محبت و یگانگت پر مبنی معاشرہ قائم کیا جس میں دشمنوں کی کوششوں کے باوجود انتشار و افتراق پیدا نہیں ہو سکا تھا۔

عصرِ حاضر میں اس واقعہ سے متعدد اسباق حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں سے اہم یہ کہ تمام مسلمانوں کو آپس میں " إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ[17]" کی

عملی مثال پیش کرنی چاہیے۔اس کے ساتھ ساتھ "وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى[18]" کے مصداق بن کر سماجی سطح پر ایک دوسرے کے ساتھ معاونت کا ماحول قائم کرنا چاہیے۔جب لوگ ایک دوسرے کے مدد و معاون بن جائیں گے تو سماج میں امن وامان سے متعلقہ مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے اور کوئی بھی فرد جرم اور استحصال واستبداد کی راہ اختیار نہیں کرے گا۔دوسری طرف معاشرے کا کمزور طبقے کو بھی چاہیے کہ وہ خود محنت ومشقت کی روز اختیار کرے اور اصحاب ثروت پر بوجھ بن کر نہ رہ جائے۔جب اس نوعیت کی خودداری پیدا ہو گی تو ہر کوئی محنت و مشقت اور باعزت روزگار کو ہاتھ پھیلانے اور جرم کے ذریعے کمانے پر ترجیح دے گا۔

اہل مدینہ کا اتحاد

نبی اکرم ﷺ نے ایک اور اہم قدم یہ اٹھایا کہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ مدینہ میں رہنے والے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کو میثاق مدینہ کے نام سے شہرت حاصل ہوئی تھی۔یہ ایک امن معاہدہ تھا جس کی متعدد شقیں تھیں۔اس کی مندرجہ ذیل شقوں کی تشکیل کا مقصد مدینہ کو امن کے حوالے سے داخلی اور بیرونی مسائل سے محفوظ رکھنا تھا۔اس کی کل 63 شقیں تھیں جن میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

1. اس معاہدے میں شامل تمام گروہ ایک قوم ہیں اور وہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔
2. اگر کوئی شخص اہل ایمان میں برائی کو پھیلانے کی کوشش کرے،کوئی غلط کام کرے یا مسائل ومشکلات پیدا کرنے کی کوشش کرے تو اہل ایمان اس کے خلاف متحد ہو کر صف آراء ہوں گے۔
3. اگر برائی کو پھیلانے والا کوئی مسلمان ہو گا تو تمام مسلمان اس کے خلاف کھڑے ہوں گے۔
4. کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کے قتل کے بدلے میں مسلمان کو قتل کرنے کا مجاز نہیں ہو گا۔
5. کوئی مسلمان مسلمانوں کے مقابلے میں غیر مسلموں کی مدد نہیں کرے گا۔
6. اگر یہودی قبال مسلمانوں کی تائید کریں اور ان کی پیروی کریں تو ان کے ساتھ عدل وانصاف والا معاملہ کیا جائے گا۔ان کی مدد کی جائے گی اور کسی مشکل میں ان کو تنہا نہیں چھوڑا جائے گا۔
7. اگر کوئی شخص مسائل اور مشکلات پیدا کرے تو اس کو مسلمانوں کی جانب سے نہ تو مدد ملے گی اور نہ پناہ دی جائے گی۔اگر کوئی مسلمان ایسے شریر شخص کے ساتھ معاونت کرے یا اس کو پناہ دے تو روز قیامت اس پر اللہ تعالی کا غضب ہو گا۔اس کو نہ تو معافی ملے گی اور نہ حفاظت دی جائے گی۔
8. اگر کسی مقدمہ کے بارے میں لوگ اختلافات کا شکار ہو جائیں تو اس مقدمہ کا حتمی فیصلہ اللہ تعالی اور نبی اکرم ﷺ کے ذریعے کروایا جائے گا[19]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں امن معاہدوں کی رسم چلتی آ رہی تھی جس کو نبی اکرم ﷺ نے قبول فرمایا تھا۔اس نوعیت کے امن معاہدوں کے ذریعے لوگ سکون کی زندگی گزار سکتے تھے،آزادانہ نقل وحرکت کر سکتے تھے اور بہتر مقاصد کے

لیے ایک ساتھ کام کر سکتے تھے۔ چنانچہ میثاق مدینہ کے بعد مسلمانوں کو اسلام کی ترویج کی آزادی حاصل ہو گئی تھی۔ وہ ہجرت کے ابتدائی زمانے میں یہودیوں کی شرارتوں سے کسی حد تک سے محفوظ ہو گئے تھے۔ مدینہ داخلی اعتبار سے امن سے ہم کنار ہو گیا جس سے بیرونی دنیا میں اسلام دشمنوں کو یہ پیغام پہنچ گیا کہ اسلام ہی برحق دین ہے۔ اسی کی وجہ یہ ہے کہ لوگ سمجھتے تھے یہودیوں کے پاس اپنا دین ہے اور وہ عرب کے حالات و معاملات پر اپنا اثر رکھتے ہیں۔ لہذا جب یہودیوں نے نبی ﷺ کے ساتھ اس میثاق کو قبول کر لیا تو اس کا مفہوم یہی تھا کہ اسلام ایک حقیقی اور برحق دین ہے۔

اخلاقی تربیت

نبی اکرم ﷺ نے مسلم سماج میں امن و امان کو مضبوط رکھنے اور اس کے باشندوں کو پر سکون زندگی گزانے کے لیے متعدد اصول متعارف کروائے تھے۔ ان کا مقصد مسلمانوں کو متحد رکھنا ہی نہیں تھا بلکہ ان کے اتحاد میں مضبوطی اور استحکام پیدا کرنا بھی تھا۔ آپ ﷺ نے اچھے اخلاق کی حوصلہ افزائی فرمائی جس سے مسلمانوں میں ایک دوسرے کی مدد کرنے، استعمال کی چیزوں اور خوراک وغیرہ کا اشتراک کرنے اور کام کاج میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے کی ریت پیدا ہوئی تھی۔ اس ضمن میں آپ ﷺ کے متعدد فرامین کتب احادیث میں موجود ہیں۔ مثلاً:

- جس شخص کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہیں وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا[20]۔
- مسلمان وہ ہے جو اپنے ہاتھ اور اپنی زبان کے شر سے دوسرے مسلمانوں کو محفوظ رکھتا ہے[21]۔
- اسلام کا بہترین حصہ یہ ہے کہ دوسروں کو کھانا کھلایا جائے اور ہر اس شخص کو سلام کہا جائے جس کو تم جانتے ہو اور ہر اس شخص کو بھی جس کو تم نہیں جانتے ہو[22]۔
- لوگو! سلام کو عام کرو۔ دوسروں کو کھانا کھلاؤ۔ اپنے خاندان کے ساتھ تعلقات کو مضبوط کرو۔ جب رات کے وقت لوگ سو رہے ہوں تب تم اٹھ کر نفل نماز ادا کرو۔ ایسا کرنے سے تم امن کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے[23]۔
- تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تلک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے[24]۔

اہل ایمان کا معاشرہ اینٹوں سے بنی ہوئی عمارت کی طرح ہے جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کو کھڑا رکھتا ہے[25]۔

- مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس کو تکلیف نہیں دیتا اور نہ ہی تکلیف میں اکیلا چھوڑتا ہے۔ اگر تم اپنے بھائی کی مدد کرو گے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ اگر تم اپنے بھائی کی مشکل دور کرو گے تو اس کے بدلے میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارہ مشکل دور کرے گا۔ اگر تم اپنے بھائی کی ستر پوشی کرو گے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے گناہوں کی ستر پوشی کرے گا[26]۔

مذکورہ بالا احادیث ثابت کرتی ہیں کہ داخلی امن کے قیام کے لیے جس اخلاقی نظام کی ضرورت تھی وہ نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات میں بدرجہ اتم موجود تھا۔

منافقوں کی سازشوں کا سدِ باب

منافق مدینہ میں وہ لوگ مسلمان ہونے کا ڈھونگ رچاتے تھے لیکن ان کے دل ہنوز کفر میں مبتلا تھے۔ان کا خیال تھا کہ اس طرح کرنے سے وہ اسلام کے دشمنوں کی مدد کر کے مسلمانوں کا نقصان کر سکیں گے۔ان کے سردار کا نام عبداللہ بن ابی تھا۔ نبی اکرم ﷺ کی ہجرت مدینہ سے قبل اس کو مدینہ کا سردار بنانے کی تیاریاں ہو چکی تھیں لیکن آپ ﷺ کے آنے کے بعد لوگوں نے آپ ﷺ کی اطاعت اور پیروی شروع کر دی جس کی بناپر ابن ابی کی اہمیت ختم ہو گئی تھی۔اس دن سے ابن ابی نے خفیہ طور پر مسلمانوں سے نفرت کرنا شروع کر دیا تھا۔عبد اللہ بن ابی نے مسلمانوں کا نقصان کرنے کے لیے مشرکین مکہ کے ساتھ مل کر سازشوں کا جال بچھانا شروع کر دیا۔

ہجرت مدینہ کے بعد مشرکین مکہ نے عبداللہ بن ابی کو ایک خط لکھا اور اس میں مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کر کے ان کو مدینہ سے باہر نکال پھینکا جائے۔ منافقوں نے آپ ﷺ کے خلاف جنگ کے لیے اتحاد کر لیا۔اس وقت نبی اکرم ﷺ کو منافقین کی جانب سے خطرہ محسوس ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ بات چیت کر کے ان کو خبر دار کیا کہ تم لوگ قریش کی دھمکیوں سے ڈر گئے ہو۔ قریش تمہیں اتنا مجبور نہیں کر سکتے ہیں جتنا مجبور تم خود اپنے آپ کو کر رہے ہو۔ کیا تم خود اپنے ہی بھائیوں اور بیٹوں کے خلاف لڑنا چاہتے ہو؟ جب لوگوں نے یہ سنا تو اپنی اپنی جگہ چھوڑ دی اور لڑے بغیر واپس گھروں کو روانہ ہو گئے[27]۔

یہ واقعہ نبی اکرم ﷺ کی حکمت کی عکاسی کرتا ہے۔ آپ ﷺ مدینہ میں مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد اور مضبوط پیدا کرنے کے ضمن میں انتہائی محتاط اور دانش مند ثابت ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ابتداء سے ہی منافقوں کے خلاف لڑائی کرنے میں دلچسپی نہیں دکھائی تھی بلکہ آپ ﷺ نے ان کو انتہائی مؤثر انداز میں خبر دار کیا کیونکہ آپ ﷺ حالات و واقعات کا انتہائی سنجیدہ مشاہدہ کرتے رہے تھے اور جانتے تھے کہ منافقوں کے خلاف عسکری اعتبار سے صف آراء ہونے کی صورت میں نتائج مسلمانوں کے حق میں نہیں نکلیں گے۔ آپ ﷺ نے مؤثر اور نرم الفاظ میں منافقین کو سمجھایا تھا اور ان سے فرمایا کہ کیا تم اپنے ہی بھائیوں اور بیٹیوں کے ساتھ لڑائی کرنا چاہتے ہو؟ آپ ﷺ نے "اپنے دشمنوں کے ساتھ" ایسے الفاظ استعمال نہیں فرمائے تھے۔ اس نوعیت کے الفاظ سن کر منافقوں کو سوچنے اور سمجھنے میں مدد ملی اور انھوں نے جنگ کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

دوسری طرف نبی اکرم ﷺ نے منافقوں کی اولادوں میں سچے اہل ایمان کو سمجھانا شروع کیا تاکہ منافقوں کی اپنی صفوں میں مسلمانوں کے حقیقی خیر خواہ پیدا ہوں اور منافقوں کے اپنے بچے ان کی پالیسیوں کے خلاف مسلمانوں کے مؤید ثابت ہو سکیں۔ مثلاً عبداللہ بن ابی کا اپنا سگا بیٹا، اس کا نام بھی عبداللہ ہی تھا، مسلمانوں کا زبردست حمایتی تھا۔ اس کے علاوہ عبد ابن ہوس بن قیس بھی مسلمانوں کا حمایتی تھی۔ عبد بن ہود کا والد غصے میں آگیا اور اس نے کہا کہ تم مسلمانوں کا ساتھ دینا ترک کر دو ورنہ میں تمہاری کبھی مدد نہیں کروں گا۔ مجھے تم پیغمبر اسلام ﷺ سے زیادہ بُرے لگتے ہو[28]۔

منافقین نے مدینہ میں اپنی سازشوں کے لیے ایک مسجد تعمیر کی جس کا نام قرآن مجید میں "مسجد ضرار[29]" ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے حکم سے

صحابہ کرام نے اس کو منہدم کر دیا تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ اس مسجد میں منافقین جمع ہو کر مسلمانوں کو کمزور کرنے،ان میں پھوٹ ڈالنے اور اسلامی ریاست کے داخلی امن کو تباہ کرنے کے لیے منفی منصوبے بناتے تھے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر منافقوں کا کفار کی طرح قلع قمع کیوں نہیں کیا گیا تھا؟اس کے جواب میں ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی لکھتے ہیں کہ منافق کے ساتھ اس دنیا میں مسلمان جیسا معاملہ کیا جائے گا،خواہ اس کا نفاق بالکل کھلا ہوا اور قطعی ہو۔اس کا سبب یہ ہے کہ اسلامی احکام بحثیت مجموعی دو پہلو رکھتے ہیں۔ان کا ایک پہلو اس دنیا سے متعلق ہے۔اسے مسلمانوں کو اپنے معاشروں میں اور اپنے درمیان نافذ کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے اور خلیفہ یا سربراہ مملکت اس کی نگرانی کرتا ہے۔دوسرے پہلو کا تعلق آخرت سے ہے۔اس کا معاملہ اللہ تعالی کے حوالے ہے[30]۔

یہودیوں کی جلاوطنی

پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد نبی اکرم ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ ایک میثاق طے کیا تھا۔اس میثاق کی رو سے ان کے پاس آزاد شہریوں کے طور پر مدینہ میں رہنے کا حق تسلیم کر لیا گیا تھا۔اب وہ ریاست مدینہ کے تحت رہتے ہوئے اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد تھے۔لیکن یہودیوں نے اس میثاق کا پاس نہیں رکھا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہوئے اس کو توڑ دیا تھا۔انھوں نے مدینہ میں موجود مسلمانوں کے لیے مسائل و مصائب پیدا کرنے کے لیے مشرکین مکہ کے ساتھ مل کر خفیہ منصوبے بنائے۔غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح کے بعد مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں کی نفرت میں مزید اضافہ ہوا۔چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے نہ صرف مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے سے روکا بلکہ ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت بھی دی۔ان کو یاد دلایا کہ مسلمانوں نے کس طرح مشرکین مکہ کو میدان جنگ میں شکست دی تھی۔آپ ﷺ نے یہودیوں کو خبردار کیا کہ اگر وہ باز نہ آئے تو ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوگا جو مشرکین مکہ کے ساتھ ہوا ہے۔یہودیوں نے اس پر کان دھرنے کے بجائے انتہائی تکبر اور رعونت کے ساتھ جواب دیا کہ آپ نے قریش کے چند لوگوں کا قتل ضرور کیا ہے لیکن اس پر آپ کو فخر نہیں ہونا چاہیے۔قریش کے لوگ تربیت یافتہ جنگ جو نہیں تھے اور نہ ہی وہ جنگوں کے اسرار و رموز سے آگاہ تھے۔اگر آپ ہمارے ساتھ جنگ کریں گے تو ہم آپ کو اپنی طاقت دکھائیں گے اور آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ نے آپ تلک ہم جیسے لوگوں کا سامنا نہیں کیا ہے[31]۔

ان کے جواب سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑنے کا موقع ضائع نہیں کریں گے۔لیکن نبی ﷺ نے ان کے خلاف جنگ نہیں لڑی بلکہ اس امید پر انتہائی صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا کہ ممکن ہے کہ یہ لوگ مستقبل میں مسلمان ہو جائیں۔تاہم آپ ﷺ نے جتنا تحمل دکھایا،یہودی اتنے ہی زیادہ بے باک ہوتے گئے اور انھوں نے مسلمانوں کو ایذا پہنچانا شروع کر دی۔

2 ہجری میں ایک روز بنو قینقاع کے یہودیوں نے اپنے بازار میں ایک مسلمان خاتون کے ساتھ بدتمیزی کرتے ہوئے اس کو زبردستی بے حجاب کر دیا۔چنانچہ نبی ﷺ نے ان کے خلاف کارروائی کا اعلان کیا اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے گھروں کا محاصرہ کر لیا۔یہ محاصرہ اس

وقت تک جاری رہا جب یہودیوں نے خود امان طلب کی۔ چنانچہ ان کو مدینہ سے باہر نکال دیا گیا اور وہ شام جا کر آباد ہو گئے[32]۔

4ہجری میں یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر نے نبی ﷺ کے قتل کی سازش کی جو بے نقاب ہو گئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس قبیلہ کے لوگوں کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا جس کو انھوں نے مسترد کر دیا۔ آپ ﷺ نے بنو نضیر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرت کے بعد انھوں نے مدینہ سے نکل جانے کی ہامی بھر لی اور پھر وہ خیبر اور شام میں جا کر آباد ہو گئے[33]۔

بنو قریظہ کے یہودیوں نے بھی میثاق شکنی کا ارتکاب کیا اور مسلمانوں کے خلاف جنگ خندق میں قریش، غطفان اور دیگر عرب قبائل کی معاونت کی۔ انھوں نے دشمن کے ساتھ وعدہ کیا کہ اگر وہ باہر سے مدینہ پر حملہ آور ہو گا تو جنگ کے دوران ہم مدینہ کے اندر رہ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیں گے۔ جنگ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو آپ ﷺ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔ اس میں اتنی سرعت دکھائی کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ عصر کی نماز سے پہلے پہلے بنو قریظہ تک پہنچیں[34]۔ مسلمانوں نے جا کر ان کا محاصرہ کر لیا۔ طویل محاصرے کے بعد مذاکرات ہوئے جنگ کے خاتمے پر بنو قریظہ کے ایسے لوگ قتل کیے گئے جو جنگ لڑ سکتے تھے اور باقی لوگوں کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا گیا تھا[35]۔

خارجی حملوں سے مدینہ کا دفاع

ہجرت مدینہ کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ کو بیرونی دشمنوں سے محفوظ رکھنے کی منصوبہ بندی پر بھی کام کیا تھا۔ آپ ﷺ جانتے تھے کہ کفار اور مشرکین مکہ مسلمانوں کو ختم کرنے کی فکر میں ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کو جہاد کرنے کی اجازت ملی[36] تو آپ ﷺ نے مدینہ کے گرد رہنے والے قبائل میں چھوٹے چھوٹے عسکری دستے روانہ فرمائے۔ ان کی روانگی کے مندرجہ ذیل مقاصد تھے:

- مدینہ کے گردونواح میں مستعمل رستوں کی معلومات حاصل کرنا
- مدینہ کے گردونواح میں بسنے والے قبائل کے ساتھ امن معاہدے کرنا
- مشرکین مکہ کو یہ پیغام پہنچانا کہ اب مسلمان مضبوط اور طاقت ور ہو چکے ہیں
- دشمن کی جانب سے کسی بھی ممکنہ حملہ سے باخبر ہونا
- مشرکین مکہ کو یہ دھمکی دینا کہ اب ان کا وہ تجارتی راستہ جس کو استعمال کرتے ہوئے وہ شام جاتے تھے، اب اس پر مسلمانوں کی اجارہ داری ہے لہذا قریش کی تجارت خطرے میں ہے[37]۔

مشاورتی کونسل کی تشکیل

بڑے فیصلے کرنے سے قبل دوسروں کے ساتھ مشاورت کو شرعی اصطلاح میں "شوریٰ" کہا جاتا ہے۔ اس عمل سے معاشرہ نقصان سے محفوظ رہتا ہے۔ شوریٰ کے ذریعے درست فیصلے کیے جاتے ہیں اور سماج کے تمام لوگوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ سماجی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے مکلف ہیں۔ چنانچہ معاشرے کا ہر فرد داخلی امن کے قیام کے لیے اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مشاورت کو اہل ایمان کے اوصاف میں شمار فرمایا ہے[38] اور نبی اکرم ﷺ نے بھی اہم فیصلوں سے قبل اپنے صحابہ سے مشاورت فرمائی تھی۔ اس کی چند

مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

- غزوہ بدر کے موقع پر صحابہ کرام کے ساتھ مشاورت کے بعد جنگ کا فیصلہ کیا گیا تھا[39]۔
- حضرت حباب بن منذر نے کے مشورہ سے بدر میں پڑاؤ کی جگہ کا انتخاب کیا گیا تھا[40]۔
- غزوہ احد کے لیے صحابہ کرام کے ساتھ مشورہ کے بعد احد کے میدان کا رخ کیا گیا تھا[41]۔
- غزوہ احزاب کے موقع پر حضرت سلیمان فارسی کے مشورہ پر مدینہ کے ارد گرد خندق کھودی گئی تھی[42]۔

عصر حاضر میں سیرت النبی ﷺ کی ان مثالوں سے متعدد اسباق حاصل ہوتے ہیں۔ مسلم ریاست کے حکمران کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی رعایا کو اعتماد میں لے کر ملکی و قومی سطح کے فیصلے کرے۔ کسی نوعیت کی آمریت کا مظاہرہ کرنا اسلامی شریعت کی روح کے خلاف ہے۔ بالخصوص جنگ و حرب کے فیصلوں کے ضمن میں گہری سوچ بچار اور شوریٰ یا پارلیمان کا اعتماد میں لیا جانا اس لیے ضروری ہے کہ اس کا تعلق براہ راست ملک و قوم کی سالمیت کے ساتھ ہے۔ اگر عوام کو اپنے ساتھ ایک موقف پر پختہ نہ کیا جائے تو عین ممکن ہے کہ جنگ کے دوران بڑی تعداد میں غدار پیدا ہو جائیں اور وہ دشمن کے ساتھ مل کر اپنی ہی ریاست کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ بن جائیں۔

جاسوسی دستوں کی فعالی

جنگ کے دنوں میں مسلم معاشرے کے تحفظ کے لیے نبی اکرم ﷺ کی جانب سے انتہائی مؤثر طریقے اختیار کیے جاتے تھے۔ ان موقع پر آپ ﷺ کی جانب سے دشمن کے بارے میں معلومات کے حصول کے لیے جاسوسی دستے روانہ کیے جاتے تھے۔ ان دستوں کی جانب سے حاصل ہونے والی معلومات سے جنگ کی منصوبہ بندی کرنے میں مدد ملتی تھی۔

بعض اوقات نبی اکرم ﷺ خود دشمن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ جنگ بدر سے قبل آپ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشرکین کی افواج کے بارے میں خبر گیری کے لیے تشریف لے گئے۔ دشمن کے خیموں کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک بوڑھے عرب کے ساتھ آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس سے قریش کے لشکر کے بارے میں معلومات حاصل کی گئی تھیں۔ جب اس نے معلومات دینے کے بعد آپ ﷺ سے پوچھا کہ آپ دونوں کون ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم پانی سے ہیں۔ اس شخص نے سمجھا کہ شاید آپ ﷺ کی مراد عراق میں موجود پانیوں کا کوئی علاقہ ہے۔ حالانکہ آپ کی مراد وہ پانی تھا جس سے جاندار چیزوں کی پیدائش کی ابتداء ہوئی تھی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے انتہائی محتاط الفاظ کے ذریعے اپنے حقیقی منصوبے کو خفیہ رکھا تھا۔ کامیاب جاسوس کی علامت ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے مطلب و مقصد کی معلومات حاصل کر لیتا ہے لیکن اپنے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہونے دیتا ہے[43]۔

فوری جنگ بندی

نبی اکرم ﷺ مسائل کو سر اٹھانے سے پہلے اور جنگوں کو برپا ہونے سے قبل روکنے کی بھرپور کوشش فرماتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ

آپ ﷺ جانتے تھے جنگوں سے سماج میں کمزوری پیدا ہو سکتی ہے جب کہ آپ ﷺ کا مطمع نظر ہی یہی ہوتا تھا کہ مسلم معاشرہ متحد اور مضبوط رہے۔اسلام سے قبل لوگ قبائلی کارناموں پر تفاخر کا اظہار کرتے تھے اور قبائلی تفاخر کے لیے جان دینے اور لینے کو تیار رہتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس عصبیت کو حرام قرار دیا اور اس عصبیت کی بنیاد پر لڑائی سے بھی منع فرمادیا تھا۔

ایک مرتبہ یہودی شاس بن قیس مدینہ میں مسلمانوں کے ایک گروہ کے پاس سے گزرا۔ان مسلمانوں کا تعلق اوس اور خزرج کے ساتھ تھا۔ اسلام سے قبل ان دونوں قبائل کے مابین آویزش جاری رہتی تھی۔اب ان کے درمیان اسلامی بھائی چارہ قائم ہو چکا تھا۔شاس کو ان کے درمیان اخوت اور ہم آہنگی پسند نہیں آئی تو اس نے وہاں کھڑے ایک یہودی نوجوان سے کہا کہ مسلمانوں کے ساتھ جاکر بیٹھو اور ان کے مابین ماضی کی لڑائیوں کے بارے میں بات چیت کرو۔ایسی نظمیں پڑھو جن میں ان کی پرانی جنگوں کا رزمیہ انداز میں ذکر ہو۔ چنانچہ وہ نوجوان گیا اور اس نے یہی حرکت کی جس کے نتیجے میں اوس اور خزرج کی پرانی قبائلی عصبیت زندہ ہوگئی اور ان کے درمیان جنگ کا سماں پیدا ہو گیا۔ نبی اکرم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ فوری طور پر موقع پر تشریف لائے اور فریقین کو نصیحت کر کے جنگ کو برپا ہونے سے روک دیا[44]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک دانش ور قائد تھے۔اس وقت آپ ﷺ انصار اور مہاجرین، دونوں کے ساتھ موقع پر پہنچے تھے۔ اگر آپ ﷺ صرف انصار کے ساتھ پہنچتے تو شاید یہ تاثر پیدا ہوتا کہ آپ کسی ایک فریق کی تائید کرنے والے ہیں۔اس موقع پر آپ ﷺ نے اوس اور خزرج دونوں کو "ایھا المسلمون" کہہ کر مخاطب فرمایا تھا۔آپ ﷺ نے ان کو قبائلی ناموں سے مخاطب نہیں فرمایا تھا۔اس طرح ان کو یہ سمجھایا کہ اب وہ ایک امت ہیں۔ان کی قبائلی عصبیت کی امت کے دائرے میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔آپ ﷺ نے ان کو یہ بھی سمجھایا کہ تنازعات کا فیصلہ وہ خود نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے مسائل کو حل کریں۔اگر آپ ﷺ بروقت یہ قدام نہ کرتے تو مسلمان خانہ جنگی میں مبتلا ہو جاتے اور مدینہ کا داخلی امن وامان تباہ ہو کر " وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ[45]" کا مصداق بن جاتا۔

اشتراکِ عمل

اپنے صحابہ کی کام کاج میں مدد کرنا نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ تھی۔ چنانچہ جنگوں کی تیاری میں آپ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ بھرپور شرکت فرماتے تھے۔اس وقت آپ ﷺ محض احکامات ادر نہیں فرماتے تھے بلکہ منصوبہ بنانے سے لے کر آگے بڑھ کر ہر چیز میں مدد کرتے تھے۔اس سے آپ ﷺ کے صحابہ کو فرحت اور اطمنیان حاصل ہوتا تھا جس کی وجہ سے مشترکہ مقاصد کو حاصل کرنے کے امکانات میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

اس کی اہم مثال غزوہ احزاب سے قبل خندق کی کھدائی کے موقع پر ملتی ہے جب آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ مل کر خندق کھودی تھی۔ براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ دیگر لوگوں کی طرف خندق سے مٹی اٹھا کر باہر لا رہے تھے اور بھوک کی وجہ سے لوگوں نے اپنے اپنے پیٹ کے ساتھ پتھر باندھ رکھے تھے۔جب نبی ﷺ کو دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے بھوک کی شدت

کے سبب اپنے پیٹ کے ساتھ دو پتھر باندھ رکھے تھے۔ جب صحابہ کرام نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ شانہ بشانہ کام کر رہے ہیں تو انھوں نے بلند آواز میں یہ شعر پڑھنا شروع کر دیا:

نحن الذین بایعوا محمدا　　　　علی الجهاد ما بقینا ابدا[46]

نفسیاتی جنگ

نبی اکرم ﷺ نے دفاع کے لیے ایک اہم حکمت عملی کے طور پر نفسیاتی جنگ کو بھی اختیار فرمایا تھا۔ نفسیاتی جنگ کا مقصد دشمن میں بے یقینی کی کیفیت، خوف اور کمزوری پیدا کرنا ہوتا ہے۔ زمانہ قدیم سے متعدد ممالک کی افواج کی جانب سے نفسیاتی جنگوں کا حربہ استعمال کیا جا رہا ہے۔ ہر بڑی جنگ میں یہ طریقہ زیادہ جانیں گنوائے بغیر فتح دلوانے میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کے امکانات پیدا کرتا ہے۔ نفسیاتی جنگ کے ذریعے دشمن کو بزدل بنا کر میدان جنگ سے بھگانا ہوتا ہے[47]۔

کہا جا سکتا ہے کہ اس جنگ میں براہ راست حملہ کرنے سے پہلے احساسات اور دماغوں کو کمزور کیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں دشمن یا تو جنگ کرتا ہی نہیں ہے اور اگر میدان میں اس کے ساتھ آمنا سامنا ہو جائے تو وہ جلد ہی کمزوری کا مظاہرہ کر کے بھاگ جاتا ہے[48]۔

نفسیاتی جنگ کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ دو طریقے استعمال کرتے تھے:

1۔ شاعری

شاعری کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ شاعری اسلام سے قبل بھی عربوں میں انتہائی مقبول تھی۔ لوگ اپنے تصورات، تخیلات اور افکار و پیغامات کی ترسیل کے لیے اس کا سہارا لیتے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت کو مشرکین کے خلاف شاعری کی ذمہ داری تفویض فرما رکھی تھی۔ ان کی نظموں کو سن کر دشمن کو احساس ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں کمزور ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حسان بن ثابت کو مسجد میں شاعری سناتے ہوئے دیکھا تو ان کو منع کیا۔ حسان نے جواب میں کہا کہ میں عہد نبوی ﷺ میں بھی مسجد میں شاعری سناتا تھا اور آپ ﷺ نے کبھی منع نہیں فرمایا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس دعویٰ کی تصدیق کی تھی[49]۔

آپ ﷺ نے متعدد مواقع پر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ آپ مشرکین کے جواب میں شاعری کہیں[50]۔ ایک دفعہ تو آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ تم جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے مشرکین کو جواب دیتے رہو گے تب تک روح القدس تمہاری مدد کرتا رہے گا[51]۔

2۔ دشمنوں کے درمیان پھوٹ

جب مشرکین مکہ اپنے حلیف قبائل کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے آئے اور یہودیوں نے ان کی بھرپور مدد کی تب نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کے دفاع کے لیے خندق کھودی تھی۔ دشمن نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تو اس کے دوران ایک غطفانی رئیس نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ

نبی ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ کفار کو ان کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ تم ابھی بھی ان میں ہی سمجھے جاتے ہو لہذا ان کے پاس واپس جاؤ اور ان کے سرداروں میں مخمصہ پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اس کے بعد وہ قریش سے ملے اور ان کو بنو قریظہ کے یہود کے خلاف بھڑکایا۔ پھر بنو قریظہ کے یہود سے ملے اور ان کو قریش کے خلاف بھڑکایا۔ تیسرے مرحلے میں وہ غطفان کے سرداروں کے پاس گئے اور ان کو یہود اور قریش کے خلاف بھڑکایا۔ اس طرح مشرکین، ان کے حلیفوں اور یہودیوں کے درمیان پھوٹ پڑ گئی اور وہ ناکام و نامراد ہو کر واپس چلے گئے[52]۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نعیم نے اپنے قبول اسلام کا واقعہ مخفی رکھا تھا۔ اگر دشمن کو معلوم ہو جاتا کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں تو ان کی بات کا کوئی بھی یقین نہ کرتا۔ دشمن میں مخمصہ پیدا کرنے کے لیے نعیم نے "محمد ﷺ اور ان کے لوگ" کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کے لیے "رسول اللہ ﷺ" کا نام استعمال نہیں کیا تھا کیونکہ اگر وہ احترام پر مبنی یہ الفاظ بولتے تو شاید یہودی، مشرکین اور غطفان کے لوگ ان کو قتل کر دیتے[53]۔

مصالحت کی کوشش

نبی اکرم ﷺ ہمیشہ قیام امن کے خواہاں رہتے تھے۔ اپنے مشن کے ہر مرحلے میں آپ ﷺ نے اسلام کی ترویج و اشاعت کے پر امن طریقوں کو اختیار فرمایا تھا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے جنگ و جدل سے گریز کرنے کا ہر ممکن راستہ اپنایا تھا۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ کسی عسکری مزاحمت کے بغیر ہی لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اس کوشش میں آپ ﷺ ہمیشہ اپنے پیروکاروں کی زندگیوں کے تحفظ کے حوالے سے متفکر رہتے تھے۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ اس کا واضح ثبوت ہے جس کے مطابق آپ ﷺ نے مشرکین کی سخت ترین شرائط کو محض اس لیے قبول کر لیا کہ مسلمانوں اور اہل مکہ کے درمیان ایک جنگ مزید برپا نہ ہو سکے۔ سیرت النبی ﷺ کے طلبہ کے ہاں یہ تمام شرائط معلوم اور معروف ہیں[54]۔ چنانچہ آپ ﷺ صلح حدیبیہ سے فارغ ہوئے تو پھر آپ ﷺ نے دیگر ریاستوں کے حکمرانوں کو اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے خطوط ارسال فرمائے۔ ان خطوط کی ابتداء بھی سلامتی کے اس پیغام سے ہوتی تھی کہ "السلام علی من اتبع الهدیٰ"۔ عرب میں اگر صلح حدیبیہ کے نتیجے میں داخلی سطح پر امن قائم نہ ہوتا تو اسلام کا پیغام غیر عرب ریاستوں تک پہنچنے میں مزید عرصہ درکار ہوتا۔

قوت و طاقت کا مظاہرہ

نبی ﷺ نے حدیبیہ کے سافر میں اپنے ساتھ جانے والے صحابہ کو عمرہ کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا۔ انھوں نے قربانی کے جانور ساتھ لیے اور جب وہ مکہ میں داخل ہوئے تو نبی ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ طواف کے پہلے تین چکروں میں تیز اور مضبوط قدم اٹھائیں۔ نیز آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ اپنے کاندھوں کو عریاں رکھیں تاکہ اپنی جسمانی طاقت کا اظہار کیا جا سکے۔ اس حکم کی وجہ یہ تھی کہ مشرکین مکہ میں یہ چہ مگوئیاں ہو رہی تھیں کہ مسلمان کمزور ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ عمل دیکھنے کے بعد ان کی غلط فہمی دور ہو گئی[55]۔

ریاست مدینہ کے داخلی امن کے ساتھ اس کو تعلق یوں بنتا ہے کہ مسلمانوں کے اس عمل سے ان میں اپنی طاقت اور قوت سے متعلق خود اعتمادی پیدا ہوئی تھی۔ یہ تاثر ابھر کو مستحکم ہوا تھا کہ اگر ہم بیرونی دشمن کے ساتھ بحسن وخوبی نبرد آزما ہونے کی استعداد رکھتے ہیں تو یقیناً ہم داخلی سطح پر پیدا ہونے والی تحدیات کا بھی مقابلہ کر سکتے ہیں۔

فتح مکہ کا مؤثر منصوبہ

مشرکین کے حلیف قبیلے بنو بکر نے صلح حدیبیہ کی شرط توڑتے ہوئے مسلمانوں کے حلیف قبیلے بنو خزاعہ پر حملہ کر کے وسیع پیمانے پر قتل و غارت کی۔اس کے جواب میں نبی ﷺ نے مشرکین کو پیغام بھیجا کہ قاتلوں کو ہمارے حوالے کرو یا خون بہا ادا کرو یا صلح حدیبیہ کو منسوخ سمجھو۔ مشرکین نے تیسری شرط منظور کر لی تو مسلمانوں نے مکہ پر چڑھائی کر کے اس کو فتح کر لیا۔ سیرت النبی ﷺ کے طلبہ کے ہاں اس کی تفصیلات بھی معروف ہیں[56]۔

اس واقعہ میں قابل غور پہلو یہ ہے کہ مکہ کی طرف کوچ کرنے سے قبل آپ ﷺ نے کسی کو اس کی کانوں کان خبر نہیں ہونے دی تھی۔اس کو خفیہ رکھا گیا تھا تاکہ مشرکین کو مسلمانوں کی آمد کا پتہ نہ چل سکے اور وہ جنگ کی تیاری نہ کر سکیں۔اس وقت آپ ﷺ کے صحابہ میں سے بعض کے خاندان اور اہلیانِ خانہ مکہ میں رہائش پذیر تھے۔اس لیے ان کو یہ خدشہ تھا کہ اگر جنگ برپا ہو گئی تو بڑے پیمانے پر نقصان ہو گا جس کی لپیٹ میں ان کے خاندان کے لوگ بھی آ سکتے ہیں۔اس لیے آپ ﷺ کے قریبی ساتھیوں کو بھی اس منصوبے کا علم نہیں تھا یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی اس سے بے خبر تھے۔ان کا خیال تھا کہ نبی ﷺ اہل روم کے خلاف جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں[57]۔آپ ﷺ نے اس موقع پر آٹھ لوگوں کا ایک مختصر گروہ مکہ کی مخالف سمت بھیجا تھا تاکہ لوگوں کو یہ محسوس ہو کہ آپ ﷺ کسی اور طرف کوچ کرنے والے ہیں۔

فتح مکہ کا واقعہ بھی داخلی امن کے قیام کے ساتھ مربوط ہے کیونکہ صلح نامہ حدیبیہ کی رو سے اب بنو خزاعہ مسلم ریاست کا حلیف تھا۔ لہذا بنو کزاعہ پر حملہ اسلامی ریاست پر حملہ قرار دیا گیا اور اگر اس جرم کی پاداش میں مشرکین مکہ پر چڑھائی نہ کی جاتی تو مسلم معاشرے میں بے چینی اور عدمِ تحفظ کے احساس کی وجہ سے تشویش پیدا ہو سکتی تھی۔ یہی تشویش بعد میں کسی بڑے مسئلے کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔

منصب قضا کے تقاضوں کا لحاظ

ریاست مدینہ میں قیام امن کے لیے نبی اکرم ﷺ نے عدل وانصاف پر مبنی ایک ایسا نظام قضا قائم کیا تھا جس سے کسی بھی مجرم کا بچ پانا ممکن نہ تھا۔اس کو شفاف اور فعال بنانے کے لیے آپ ﷺ نے سرکاری سپاہیوں، قاضیوں، گواہوں اور دیگر کارکنانِ قضا کی ذمہ داریوں کی تفصیلات واضح کر رکھی تھیں تاکہ عدل وانصاف کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھا جا سکے۔خود آپ ﷺ کے سامنے مجرموں کو پیش کیا جاتا اور ثبوت مہیا ہو جاتا تو آپ ﷺ متعلقہ جرائم سے متعلق اسلامی حدود وتعزیرات کے نفاذ میں کوئی تامل نہیں کرتے تھے۔آپ ﷺ کی سیرت میں مندرجہ ذیل جرائم کے ارتکاب پر سزاؤں کے نظائر ملتے ہیں:

- زنا
- قذف
- چوری
- شراب نوشی
- ارتداد
- توہین رسالت
- وضع حدیث
- جادو
- بغاوت
- حرابہ
- قتل[58]

اگر قانون نافذ کرنے والے اداروں کی جانب سے مجرموں کو قرار واقعی سزا دے کر کیفر کردار تک پہنچانے پر کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے تو اس کے نتیجے مین ریاست میں داخلی سطح پر امن وامان قائم رہتا ہے۔وطن عزیز میں جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح اس نبوی طرز و اسلوب پر عمل کرنے کی سخت متقاضی ہے۔

نتائج تحقیق

پیچھے دی گئی معلومات اور تفصیلات کی روشنی میں مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

- ریاست کے باشندوں کی حقیقی حفاظت اس وقت ممکن ہوتی ہے جب ہم واضح منصوبہ بنا کر ان افراد اور وسائل سے استفادہ کرتے ہیں جو سماج میں پہلے ہی موجود ہوتے ہیں۔آپ ﷺ نے بھی یہی عمل اختیار فرما کر داخلی امن کے قیام کو یقینی بنایا تھا۔
- مساجد کو محض عبادات کے لیے نہیں بلکہ سماجی، معاشی اور مذہبی نوعیت کی تمام اہم سرگرمیوں کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔نبی اکرم ﷺ کے عہد میں مسجد نبوی کو پارلیمان بنا کر اہم حفاظتی امور سے متعلق ان میں مشاورت ہوتی تھی۔
- اگر معاشرے کے تمام عناصر کو متفق و متحد رکھا جائے تو ریاست تمام داخلی اور بیرونی خطرات سے محفوظ رہتی ہے۔
- جب کسی ریاست یا مملکت کے باشندے ایک دوسرے کے لیے ممد و معاون اور مؤید و حامی بن جائیں تو اس ملک کا سماج مضبوط ہو جاتا ہے۔اس کے نتیجے میں سب سے اہم نتیجہ "امن" کی صورت میں سامنے آتا ہے۔
- لوگوں کے ساتھ مشاورت کرنے سے اہم کاموں میں آسانی پیدا ہوتی ہے اور کامیابی کے امکانات میں اضافہ ہوتا ہے۔اس سے

سماج کا ہر باشندہ خود اعتمادی محسوس کرتا ہے اور اس کو یقین ہوتا ہے کہ وہ ایک ذمہ دار اور باعزت فرد ہے۔

- داخلی سطح پر ریاستی امن کے قیام اور استحکام کے لیے لڑائیوں اور مسائل کو فوری طور پر رفع دفع کرنا ضروری ہے۔
- اگر کسی مسلمان حاکم کے پاس طاقت اور اختیار ہو لیکن وہ اپنے دشمن کو معاف کرنے اور امن کو قائم کرنے میں دلچسپی کا مظاہرہ کرے تب دو فائدے ہوتے ہیں۔ دشمن کی بڑی تعداد اسلام میں داخل ہو سکتی ہے نیز اپنی رعایا کا اپنے حاکم پر اعتماد بڑھ جاتا ہے۔

سفارشات

- مسلم ممالک کے ارباب اختیار کو چاہیے کہ وہ اخبارات، ریڈیو، ٹی وی اور سماجی ذرائع ابلاغ کو استعمال کرتے ہوئے اپنے عوام میں ریاست کے داخلی امن وامان کی اہمیت کا احساس پیدا کریں۔
- داخلی امن وامان کے قیام کے لیے صرف سرکاری افسروں کو ہی خدمات پیش کرنے کے مواقع فراہم نہ کیے جائیں بلکہ عوام کی بھی اس حوالے بھرپور اور مؤثر کردار ادا کرنے کی حوصلہ افزائی کریں۔
- ریاست میں داخلی امن کے قیام میں اپنا کردار ادا کرنے والے سرکاری افسران، ملازمین اور عوام کو حکومت کی جانب سے حوصلہ افزائی کے شگون کے طور پر انعامات ملنے چاہییں۔
- نبی اکرم ﷺ کی سیرت وسوانح کے مطالعہ کا ذوق پیدا کرنے کے لیے نہ صرف نصابی کتب میں سیرت کے اسباق کو شامل کیا جائے بلکہ مطالعہ سیرت کی حوصلہ افزائی کے لیے مصنفین اور قارئین کے لیے علمی منصوبے جاری کیے جانے چاہییں۔ اس میدان میں بہترین تصنیفات پیش کرنے والوں کے لیے انعامات رکھے جانے چاہییں۔

حوالہ جات

---

1 الاحزاب:21

2 القلم:4

3 محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح بخاری، دار الحدیث، قاہرہ، (1992ء)، ج1، ص325

4 عبد الملک ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، دار الخیر، بیروت، (1992ء)، ج1، ص2017ء

5 ابو بکر بیہقی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، (1996ء)، ج3، ص275

6 صحیح بخاری، ج1، ص327

7 عبد الرحمان الشجاع، دراسات فی عہد النبوۃ والخلافۃ الراشدۃ، دار الفکر، صنعاء، (1999ء)، ص161

8 صفی الرحمان مبارک پوری، تجلیاتِ نبوت، دار السلام، لاہور، (س۔ن) ص174

9 اصحاب صفہ سے متعلق تفصیلات کے لیے دیکھیے: مفتی مبشر، صفہ اور اصحاب صفہ، بیت العلوم، لاہور، (س۔ن)، ص63تا268

10 اس کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر مبشرہ مظفر، مواخاتِ مدینہ، کتب خانہ سیرت، کراچی، (2023ء)، ص65تا112

11 الانفال:75

12 ابن ہشام، ج2، ص237

13 صحیح بخاری، ج3، ص324

14 محسن الموسوی، دولۃ الرسول، دار البیان، بیروت، (1999ء)، ص180، 181

15 الحشر:9

16 محمد بن عیسیٰ الترمذی، سنن ترمذی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، (1990ء)، ح:2427

17 الحجرات:10

18 المائدہ:2

19 ان 63 شقوں کا متن، ترجمہ اور تخریج کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر حسن محی الدین، دستور مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور، منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور، (2024ء)، ج1، ص185تا232

20 مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، دار الکتاب العربی، قاہرہ، (1987ء)، ج4، ص387

21 صحیح بخاری، ج3، ص324

22 صحیح بخاری، ج3، ص325

23 محمد بن یزید ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت، (1997ء)، ج4، ص187

24 صحیح بخاری، ج2، ص234

25 صحیح بخاری، ج4، ص391

26 صحیح بخاری، ج2، ص234

27 ابن ہشام، ج2، ص282

28 محمد بن عمر واقدی، المغازی، مؤسسۃ الاعلیٰ للمطبوعات، بیروت، (1998ء)، ج2، ص234

29 التوبہ:107تا110

30 ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی، دروس سیرت، اردو مترجم: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، نشریات، لاہور، (2007ء)، ص311

31 ابو داؤد سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، دار احیاء التراث، بیروت، (1994ء)، ج3، ص282

32 پیر کرم شاہ الازہری، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، (1420ھ)، ج3، ص436

33 ضیاء النبی ج3، ص224

34 سلیمان بن احمد طبرانی، الجامع الکبیر، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ، (1994ء)، ج2، ص363

35 مولانا شبلی نعمانی کے مطابق "مقتولین کی تعداد ارباب سیر نے 600 سے زائد بیان کی ہے لیکن صحاح ستہ میں 400 ہے"۔ دیکھیے: شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، (2015ء) ج1، ص311۔ نیز دیکھیے: ضیاء النبی، ج4، ص60تا72

36 أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَٰتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُواْ وَإِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ

اب اجازت دی جارہی ہے (قتال کی) ان لوگوں کو جن پر جنگ مسلط کی گئی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور یقیناً اللہ ان کی نصرت پر قادر ہے۔ (الحج: 39)

37 ان معاہدات کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: شاہ معین الدین ہاشمی، عہد نبوی میں اسلامی ریاست کا داخلی نظم و نسق، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، (2024ء)، ص141

38 الشوریٰ: 38

39 بیہقی، ج2، ص239

40 ابو عبد اللہ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، (2002ء)، ج1، ص239

41 ابن ہشام، ج1، ص345

42 صحیح بخاری، ج1، ص289

43 اس ضمن میں تفصیل کے لیے دیکھیے: پروفیسر محمد صدیق قریشی، رسول اکرم کا نظام جاسوسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، (1990ء)

44 طبرانی، ج2، ص374

45 البقرہ: 192

46 تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن ہشام، ج1، ص342

47 فہمی النجار، الحرب النفسیۃ فی الاسلام، دار الفضیلۃ، الریاض، (2005ء)، ص37

48 الحرب النفسیۃ فی الاسلام، ، ص41

49 صحیح بخاری، ج1، ص301

50 صحیح بخاری، ج1، ص312

51 بیہقی، ج2، ص238

52 صحیح مسلم، ج4، ص239۔ المغازی للواقدی، ج2، ص297

53 نفسیاتی جنگ کی نبوی حکمتوں سے متعلق تفصیلات کے لیے دیکھیے: عبد الرحمان ناصر، الحرب النفسیۃ فی عصر النبوۃ، جامعہ امام محمد بن سعود الاسلامیۃ، الریاض، (1406ھ)، ص63تا95

54 ان شرائط کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: پروفیسر علامہ نور بخش توکلی، سیرت رسول عربی، مونال پبلی کیشنز، راولپنڈی، (س۔ن) ص130، 131

55 المغازی للواقدی، ج2، ص371

56 فتح مکہ کے اسباب و تفصیلات کے لیے دیکھیے: صفی الرحمان مبارک پوری، الرحیق المختوم، مکتبہ سلفیہ، لاہور، (2001ء)، ص535تا548

57 صحیح بخاری، ج3، ص324

58 ان مقدمات سے متعلقہ روایات کی تفصیل کے لیے دیکھیے: حافظ حسن مدنی، نبی کریم ﷺ کے عدالتی فیصلے، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، (2001ء)، ص234تا308

References

1. Al-Ahzab:21
2. Al-Qalam:4
3. Muhammad ibn Ismail al-Bukhari, Sahih al-Bukhari, Dar al-Hadith, Cairo, (1992), vol. 1, p. 325
4. Abdul-Malkabin Hisham, As-Sirat al-Nabawiyyah, Dar al-Khair, Beirut, (1992), vol. 1, p. 2017
5. Abu Bakr Bayhaqi, Dar al-Kutb al-Ilmiyah, Beirut, (1996), vol. 3, p. 275
6. Sahih al-Bukhari, vol. 1, p. 327
7. Abd al-Rahman al-Shuja', Dirasat fi ahd al-Nubawtah wal-Khilafah al-Rashidah, Dar al-Fikr, Sana'a, (1999), p. 161
8. Safi ur Rahman Mubarakpuri, Tajliyat-e-Nabuwwat, Dar al-Islam, Lahore, (S.A.N) p. 174
9. For details about the Companions of Suffah, see: Mufti Mubashir, Suffah and Companions of Suffah, Baitul-Ulum, Lahore, (S.A.N), pp. 63 to 268
10. For details, see: Dr. Mubashara Muzaffar, Mawakhat-e-Madinah, Seerat Library, Karachi, (2023), pp. 65-112
11. Al-Anfal:75
12. Ibn Hisham, Vol. 2, p. 237
13. Sahih Bukhari, Vol. 3, p. 324
14. Mohsin Al-Musawi, Daulat-ul-Rasul, Dar Al-Bayan, Beirut, (1999), pp. 180, 181
15. Al-Hashr:9
16. Muhammad bin Isa Al-Tirmidhi, Sunan Al-Tirmidhi, Dar Al-Kuttab Al-Ilmiyah, Beirut, (1990), H:2427
17. Al-Hujurat:10
18. Al-Ma'idah:2
19. For the text, translation and commentary of these 63 articles, see: Dr. Hassan Muhyiddin, Dastur Al-Madinah and the Concept of a Welfare State, Minhaj-ul-Quran Printers, Lahore, (2024), Vol. 1, pp. 185-232
20. Muslim bin Hajjaj, Sahih Muslim, Dar al-Kitab al-Arabi, Cairo, (1987), vol. 4, p. 387
21. Sahih al-Bukhari, vol. 3, p. 324
22. Sahih al-Bukhari, vol. 3, p. 325
23. Muhammad ibn Yazid ibn Majah, Sunan ibn Majah, Dar al-Ihya al-Kitab al-Arabiyya, Beirut, (1997), vol. 4, p. 187
24. Sahih al-Bukhari, vol. 2, p. 234
25. Sahih al-Bukhari, vol. 4, p. 391
26. Sahih al-Bukhari, vol. 2, p. 234
27. Ibn Hisham, vol. 2, p. 282
28. Muhammad ibn Umar Waqidi, Al-Maghazi, Mastat al-Ala al-Massufiyat, Beirut, (1998), vol. 2, p. 234
29. At-Tawbah: 107 to 110
30. Dr. Muhammad Saeed Ramadan al-Buti, Lessons in Seerah, Urdu Translator: Dr. Muhammad Razi al-Islam Nadwi, Nashaari, Lahore, (2007), p. 311
31. Abu Dawood Sulaiman Bin Ash'ath, Sunan Abu Dawood, Dar Ihya'at-ul-Turat, Beirut, (1994), Vol. 3, p. 282
32. Pir Karam Shah al-Azhari, Zia-un-Nabi, Zia-ul-Quran Publications, Lahore, (1420 AH), Vol. 3, p. 436
33. Zia-un-Nabi, Vol. 3, p. 224
34. Sulayman bin Ahmad Tabarani, Al-Jami' al-Kabir, Maktaba Ibn Taymiyyah, Cairo, (1994), Vol. 2, p. 363
35. According to Maulana Shibli No'mani, "The number of those killed has been stated by Arbab Seer as more than 600, but in Sahih Satta it is 400." See: Shibli No'mani, Seerat-un-Nabi (peace be upon him), National Book Foundation, Islamabad, (2015) Vol. 1, p. 311. See also: Zia al-Nabi, vol. 4, pp.

60-72
36. Permission is now given to those who fight because they have been wronged, and indeed Allah is Able to help them. (Al-Hajj: 39)
37. For details of these agreements, see: Shah Moin al-Din Hashmi, Internal Order of the Islamic State in the Time of the Prophet, Zowar Academy Publications, Karachi, (2024), p. 141
38. Shura: 38
39. Bayhaqi, vol. 2, p. 239
40. Abu Abdullah Hakim, Al-Mustadrak Ali al-Saheeheen, Dar al-Kuttab al-Ilmiyah, Beirut, (2002), Vol. 1, p. 239
41. Ibn Hisham, Vol. 1, p. 345
42. Sahih Bukhari, Vol. 1, p. 289
43. For details, see: Professor Muhammad Siddiq Qureshi, Rasool Akram's Spying System, Sheikh Ghulam Ali and Sons, Lahore, (1990)
44. Tabarani, Vol. 2, p. 374
45. Al-Baqarah:192
46. For details, see: Ibn Hisham, Vol. 1, p. 342
47. Fahmi Al-Najjar, Al-Harb Al-Nafsiyat Fi Islam, Dar Al-Fadhilah, Riyadh, (2005), p. 37
48. Al-Harb Al-Nafsiyat Fi Islam, p. 41
49. Sahih Bukhari, Vol. 1, p. 301
50. Sahih Bukhari, Vol. 1, p. 312
51. Bayhaqi, Vol. 2, p. 238
52. Sahih Muslim, Vol. 4, p. 239. Al-Maghazi Al-Waqidi, Vol. 2, p. 297
53. From the Prophetic Wisdoms of Psychological Warfare For details, see: Abdur Rahman Nasir, Al-Harb Al-Nafsiyat Fi Asr Al-Nubawtah, Jamia Imam Muhammad bin Saud Al-Islamiyyah, Riyadh, (1406 AH), pp. 63-95
54. For details of these conditions, see: Professor Allama Noor Bakhsh Tawakoli, Seerat Rasool Al-Arabi, Monal Publications, Rawalpindi, (S.A.) pp. 130, 131
55. Al-Maghazi Al-Waqidi, Vol. 2, p. 371
56. For the reasons and details of the conquest of Mecca, see: Safi Ur Rahman Mubarak Puri, Al-Raheeq Al-Makhtum, Maktaba Salafiyyah, Lahore, (2001), pp. 535-548
57. Sahih Bukhari, Vol. 3, p. 324
58. For details of the narrations related to these cases, see: Hafiz Hasan Madani, Nabi Kareem ﷺ judicial decisions, PhD thesis, Institute of Islamic Studies, Punjab University, Lahore, (2001), pp. 234-308